حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

اردو افسانے پر سقوط ڈھاکہ کے اثرات

IFTIKHAR HUSSAIN TAHIR

Ph.D SCHOLAR,

LAHORE GARRISON UNIVERSITY

ABSTRACT

Every sphere of life either internally or externally, was affected by fall of Dhaka.In literature ,the shadow of this sorrow and bitterness are still visible. It seems that wound are still bleeding on the great loss ,sufferd by the fall of Dhaka.the suffering of being deprived of their identity,poverty,hunger and helplessness ruined the lives of people. Urdu fiction greatly accepted these effects in such a way that every piece of fiction became a lamentation for these helpless people. An attempt has been made to take a view over the impact of the fall of Dhaka on Urdu fiction.

Key words: visible, suffering,deprived,poverty,hunger,shadow,internally, sphere of life.

جذباتیت اور حساسیت دو ایسے رخ ہیں جن سے ہر ذی شعور کو کسی نہ کسی مقام پر واسطہ پڑتا ہے ۔یہی جذبات و احساسات جب لفظوں کے لبادے میں ڈھال کر صفحہ قرطاس پر بکھیرے جاتے ہیں تو یہ سچے ترجمان بن جاتے ہیں۔ ایک صاحب اسلوب کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ فن پارے کی صورت میں انہیں زندہ جاوید بنادے۔ سانحہ مشرقی پاکستان بھی ایسا الم ناک، کرب ناک اور عبرت ناک احساس کا نام ہے کہ اس کی کربناکی لفظوں سے اور بھی گہری ہو جاتی ہے۔۔ اس احساس نے زیست کے داخلی اور خارجی ہر پہلو پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ سیاست دانوں کا غیر ذمہ دارانہ رویہ، مفاد پرستی، اندرونی چپقلش، لسانی عصبیت، نسلی منافرت اور ہندو مسلم دشمنی، ایسے تلخ حقائق تھے جنھوں نے ملک و قوم کو دو لخت کر دیا۔

۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو فوج کی نگرانی میں ملک میں عام انتخابات ہوئے۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے ۱۶۰ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی نے ۸۱ نشستوں پر کامیابی حاصل کی یوں عوامی لیگ ملک کی سب سے بڑی جماعت کے طور پر سامنے آئی۔ مگر مسٹر بھٹو نے جب اقتدار ہاتھ سے جاتا دیکھا تو اسمبلی کا بائیکاٹ کر دیا۔ دوسری طرف مجیب الرحمٰن بھی اپنے چھ نکات پر ہٹ دھرم رہے چنانچہ انہوں نے عوامی اجتماعات میں کارکنوں کو مسلح رہنے کا فرمان جاری کر دیا۔ صدر یحییٰ خاں نے اس سنگین اور اہم مسئلے پر توجہ نہ دی اور سیاسی خلیج بڑھتی گئی۔

قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہونے کے اگلے دن عوامی لیگ نے احتجاج شروع کر دیا۔ بھارت نے کلکتہ میں قام ریڈیو اسٹیشن سے بنگلہ دیش کی آزادی کے ترانوں کے ساتھ مجیب الرحمٰن کا ریکارڈ شدہ بیان جاری کر دیا جس سے پورے مشرقی پاکستان میں خون کی ہولی کھیلی جانے لگی، ضلع بوگرہ میں پندرہ ہزار افراد کو گھیرے میں لے کر قتل کر دیا گیا۔ چٹاگانگ میں عورتوں اور بچوں سمیت دس ہزار معصوم لقمہ اجل بنے، غرض مارچ کے آخری ہفتے میں ڈھاکہ کی گلیاں لاشوں سے اٹی پڑی تھیں۔ متعدد غیر بنگالی لڑکیوں کی لاشیں اس حالت میں ملی کہ ان کی شرم گاہوں میں بنگلہ دیش کے جھنڈے نصب تھے۔ ۲۳ مارچ کو قرارداد پاکستان بنگلہ دیش کے جھنڈے کی نسبت منائی گئی۔ ۲۵ مارچ کو رات ایک بجے مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا گیا۔ پاکستانی فوج نے عوامی احتجاج کو کچلنے کی کوشش کی۔ جس کے نتیجے میں بھارتی میڈیا نے شدید پروپیگنڈہ کیا مگر بدقسمتی سے پاکستان کی طرف سے واویلے کا مناسب جواب نہ دیا گیا جس نے عالمی سطح پر فوجی کردار پر سوالیہ نشان کھڑا کر دیا۔

۴ ستمبر ۱۹۷۱ء کو صدر یحییٰ خاں نے تخریب کاروں کو عام معافی کا اعلان کر دیا، جس کی وجہ سے بہت سے تخریب کا بھارت سے جا ملے۔ بھارت نے گنگا طیارہ اغوا کا ڈرامہ رچا کر مغربی اور مشرقی پاکستان کا فضائی رابطہ منقطع کر دیا۔ مکنی باہنی کے غنڈوں نے ذرائع مواصلات تباہ کر دیئے۔ ڈھاکہ کا فضائی اڈا تباہ ہونے کی وجہ سے مغربی پاکستان سے امدادی سامان بھی نہیں اتار جا سکتا تھا۔ فضائی تحفظ کی عدم موجودگی میں پاکستانی فوج کی پشت پر بھارتی چھاتہ بردار

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

اترنا شروع ہو گئے۔ ان حالات میں فوج کا زیادہ دیر مقابلہ کرنا ممکن نہ رہا۔ علاوہ ازیں پاکستانی فوج عوامی ہمدردی بری طرح کھو چکی تھی۔ ایم۔ ایم حسن لکھتے ہیں۔

"جب سہ پہر کے وقت تین بھاریت ٹینک ہوٹل انٹر کانٹی ننٹل کے سامنے آکر رکے تو ہمارے بنگالی بھائیوں نے ان کے حق میں نعرے لگا کر ان کا پر جوش سواگت کیا۔"(۱)

سقوطِ ڈھاکہ ہماری قومی زندگی کا ایک ایسا اندوہ ناک اور کرب ناک سانحہ ہے، جس نے کروڑوں لوگوں کو ہر طرح سے داخلی اور خارجی سطح پر متاثر کیا۔ اس الم ناکی کا تاثر اُردو فکشن نے اور خاص طور پر اُردو افسانے نے اپنے جگر پر لیا۔ شہزاد منظر لکھتے ہیں:

سقوطِ ڈھاکہ مشرقی پاکستان ہماری قومی تاریخ کا ناقابل فراموش المیہ ہے، جس کا اُردو افسانے پر گہرا اور براہ راست اثر مرتب ہوا، اور اس سانحے سے متاثر ہو کر کئی لافانی افسانے لکھے گئے۔"(۲)

سانحہ مشرقی پاکستان لسانی تعصب اور نسلی منافرت کی وجہ سے پروان چڑھا مگر اس میں بہت سے معصوم لوگ لقمہ اجل بنے یا معذوری ان کا مقدر بنی، جو لوگ زندہ بچ گئے ان کی زندگی ان کے لیے عذاب بن گئی۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں انسانیت سوز مناظر سامنے آئے جہاں مدتوں اکٹھے رہنے، میل ملاپ اور وابستگیوں کے باوجود منافرت پھیل گئی اور وہ ایک دوسرے کے خلاف دست و گریباں ہو گئے اور ان کی سوچ ایک بند گلی کی مسافر ہو کر رہ گئی۔ احمد سعدی کے افسانے" دردکارشتہ " سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"کیا یہ سچ نہیں کہ اندھیرے میں چھپ کر ہم ان خطروں سے اور تباہیوں سے محفوظ ہو گئے ہیں جو بستیوں اور آبادیوں میں اجالے میں مچی ہوئی ہیں۔ میں سوچتا ہوں اجالے نے ہمیں کیا دیا ہے؟ یہ اُجالہ ہمارے کس کام کا ہے جو انسان کو انسان سے دشمنی کرنا سکھاتا ہے اور ایک دوسرے کو گولیوں سے زخمی کرنے اور ہلاک کرنے مواقع فراہم کرتا ہے۔"(۳)

سانحہ مشرقی پاکستان کے دوران بنگالیوں پر آزادی اور خود مختاری کا ایسا بھوت سوار تھا کہ انہوں نے اپنے دوستوں کے گھر اجاڑنے، گرانے، لوٹ کر آگ لگانے سے بھی گریز نہ کیا ایسے میں انسانیت کی وہ تذلیل ہوئی کہ لاشوں کو کوے اور کتے نوچتے رہے مگر ان کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔ شاہد کمرانی کے افسانے"سچے چھوٹے آئینے" سے ایک اقتباس دیکھیے۔

" اب اس واقعے کو کئی دن گزر چکے تھے، کتے اب بھی میدان کے گرد کھڑے ہیں لیکن اب وہ چپ چھاپ ادھوری لاشوں کو یوں دیکھ رہے ہیں جیسے ان کی شکلیں یاد کرکے رونا آرہا ہے۔ گدھوں کا غول بھی خاموش بیٹھا ہے کہ اس کا متکلم بھی پُر ہو چکا ہے لیکن میں اب بھی میدان میں اسی جگہ کھڑا ہوں جہاں اس دن اس سے باتیں کر رہا تھا۔"(۴)

جب بنگال کے حالات بدلے تو سب کچھ بدل کر رہ گیا مدتوں میں بسنے کے باوجود، بنگالی کلچر اپنانے، بنگالی لڑکی سے شادی کرنے کے علاوہ بنگلہ کی تحریک آزادی کا سرگرم کارکن ہونے کے باوجود اجنبیت کی دیوار گرائی نہ جاسکی۔ شہزاد منظر کے افسانے "اجنبی" کا ایک اقتباس دیکھیے:

ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے ورنہ یہ لوگ تمہیں بھی جان سے مار ڈالیں گے۔ تمہاری زندگی یہاں خطرے میں ہے۔۔۔۔۔۔ وہ ان لوگوں کو بھی نہیں چھوڑ رہے جن کی بیویاں بنگالی ہیں۔ اسے معلوم تھا کہ بعض بنگالی عورتوں نے غیر بنگالی شوہروں کو نہ صرف ان کے حوالے کیا بلکہ انہیں قتل کرنے کی ترغیب بھی دی۔"(۵)

سقوطِ ڈھاکہ کے وقت ہر طرف بے چینی اور بدامنی کا راج تھا کسی کو کسی کی کوئی فکر نہ تھی ہر کوئی اپنے مستقبل سے پریشان تھا۔ ہر طرف خوف اور خطرے کے بادل تھے۔ حالات اس قدر سنگین تھے جن کے بہتر ہونے کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ زندگی ایک ایسے موڑ پر آرکی تھی جہاں سے کسی طرف نکل جانے کا راستہ کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔ ہر ایک کی نظر میں دوسرا بندہ غدار اور ملک فروش تھا۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

"پاکستان کی سماجی زندگی پر کرب کا لمحہ ۱۹۷۱ء میں اس وقت سامنے آیا جب مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے رجحانات فروغ پانے لگے اور مارشل لا کی انتظامیہ اس مسئلے کو سیاسی طور پر حل کرنے میں ناکام ہو گئی۔ یہ دور خارجی اضطراب اور داخلی پریشانی کا مظہر ہے۔ سیاسی منافرت اور علاقائی تعصب نے انسانی زندگی میں خلل ڈال دیا۔ پاکستانی افسانہ نگاروں نے اس دور کے اضطراب "انتشار" بے بسی اور پریشانی کو اپنے تجربے کا جذو بنایا اور چند ایسے افسانے تخلیق کیے، جن سے اس دور کا المیہ پوری طرح سامنے آجاتا ہے۔"(۶)

سقوطِ ڈھاکہ کا منفی پہلو تنگ دستی ور مفلوک الحالی کی صورت میں سامنے اچھے بھلے کھاتے پیتے لوگ بھوک کی لپیٹ میں آگئے۔ مہاجر کیمپوں کی حالت معاشی بدحالی کا مظہر تھی۔ مفلوک الحال لوگوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی اور وہ غربت کی چکی میں پس پس اپنی زندگی گزار دیتے ہیں، ان کی زندگی میں آسودگی نام کو نہیں ہوتی ریاستیں، ملک اور دیش صرف بڑے لوگوں کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں ابراہیم جلیس کے افسانے "بانگلہ دیش" کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"میرا بنگلہ دیش ابھی کہاں بنا۔ پتہ ہم غریبوں کا بنگلہ دیش کب بنے گا صاحب۔۔۔۔۔ ابھی تو بڑا بنگلہ دیش والا بنگالیوں کا بنگلہ دیش بنا ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کا بنگلہ دیش، نورالامین چودھری کا بنگلہ دیش۔۔۔۔ نزرل کا بنگلہ دیش کدھر ہے۔"(۷)

بھوک اور غربت کے اس دور میں ماؤں کی ممتا نے عجیب و غریب فیصلے کروائے، اپنے جگر کے ٹکڑوں کو کسی غیر کے حوالے کرنا پڑا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے ضمن میں یہ جگہ جگہ ہوا۔ بنگال کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہو رہی تھی۔ جہاں خونی رشتوں کی نئی تفہیم ہو رہی تھی۔

"میں نے ماںتا کی لاج رکھ لی ہے۔۔۔۔ ایک بچہ کھو کر میں پانچ زندگیاں بچانے کی کوشش کر رہی ہوں۔۔۔۔ آپ خود سوچیں میں ایک ذمہ دار ماں ہوں یا گنہگار عورت، میرا وہ شیر خوار بیٹا جہاں بھی رہے خواہ اس کا اتالیق محمدؐ ہو یا عیسیٰ علیہ اسلام سلامت رہے اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔"(۸)

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد معاشی بدحالی کا دور شروع ہوا۔ معیشت کا توازن اس قدر بگڑ گیا کہ خاندان کی غذائی ضرورت پوری کرنا اور تن ڈھانپنے کے کپڑے تک دشوار ہو گئے تھے۔ یہ صورت حال صرف کیمپوں تک محدود نہ تھی بلکہ بنگالی آبادی کے لیے بھی دو وقت کی روٹی کا پورا کرنا دردِ سر بن گیا۔ افسانہ " معمولی سی بات " ایسا افسانہ ہے جو قاری کے رونگٹھے کھڑے کر دیتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار صرف ایک ساڑھی کے حصول کے کنوارے ہوتے ہوئے نس بندی کا اپریشن کروانے پر راضی ہو جاتا ہے۔ کیوں کی اس بہن کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے کوئی کپڑا نہ تھا۔

ریڈ کراس کے کیمپوں میں بھی بھوک کا راج پناہ گزینوں کو کبھی خوراک دستیاب ہوتی اور کبھی بغیر کھائے پیئے گزارا کرنا پڑتا۔ افسانہ " سمجھوتہ " کا مرکزی کردار ایک باعزت گھرانے کی عورت ہے جو اپنی بہن کو مردہ ظاہر کر کے کپڑا حاصل کرتی ہے اور اس کی ساڑھی بنالیتی ہے اقتباس دیکھیے۔

"آخر ہم دونوں بہنوں میں مردے میں کیا فرق ہے۔۔۔ آپ ہی بتائیں میرے لیے اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا جب کہ جسم ڈھانپنے کے لیے میرے پاس کوئی کپڑا نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ اگر آپ کی غیرت گوارہ کرے تو میں یہ ساڑھی اتار کر آپ کو واپس کرنے پر تیار ہوں۔"(۹)

غربت و افلاس اور مفلوک الحالی ایسی کیفیت کا نام جب انسان تمام احساسات و جذبات سے عاری ہو جاتا ہے قیام پاکستان کے وقت اپنے ملک جھنڈے کے لیے جان کی قربانی تک دینے کے لیے تیار سقوطِ ڈھاکہ کے بعد جھنڈے کے لیے اس کی وابستگی صرف لباس کے حصول تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ آغا سہیل کے افسانے "پرچم" کا ایک مختصر اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

" میں اس کی قمیض بنوا کر پہنوں گا۔ اس نے ہجوم کو اپنا ننگا بدن دکھاتے ہوئے کہا، دیکھو مجھے سردی لگتی ہے۔ غربت کی وجہ سے اس شخص کی قومی پرچم سے وابستگی صرف لباس تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔"(۱۰)

سقوطِ ڈھاکہ نے جہاں پاکستانیوں کو خارجی سطح پر تکلیف اور اذیت سے دوچار کیا وہاں دردِ دل رکھنے والے پاکستانی داخلی اور نفسیاتی طور پر بری طرح متاثر ہوئے۔ محمد منشایاد کے افسانے " دوپہر اور جگنو" ایک پاکستانی کو خواب کی حالت میں دکھایا گیا ہے جو دراصل ہر پاکستانی کی حالت ہو چکی تھی۔

"خندق۔۔۔۔۔۔۔ دھماکہ۔۔۔۔۔ لاشیں۔۔۔۔۔ دھواں اور گھپ اندھیرا۔۔۔۔ مگر سب تو خواب ہیں!! بنگلہ دیش۔۔۔۔۔ مکتی باہنی، عجیب واہیات خواب تھا یہ مکتی باہنی کیا ہوتی ہے یہ کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے ہن سے کیون چپک گیا ہے۔ کہیں یہ خواب کی بجائے کوئی حقیقت ہی نہ ہو۔"(۱۱)

سارے افسانہ پر خوابوں، واہموں اور وسوسوں کا راج ہے جو کہ دراصل پوری پاکستانی قوم کا المیہ ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف خواب میں بلکہ اپنی حقیقی زندگی میں اس کی سوچ منفی ہو گی تھی کسی کو کسی پر اعتماد نہ تھا اور خیالات منتشر ہو گئے تھے۔ افسانہ نگار نے پاکستانی قوم کا وہ المیہ بیان کیا ہے جس نے پاکستانیوں کو اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ منزل گم ہو گئی تھی جو ہاتھ میں تھا اس پر اعتماد کرنا مشکل لگ رہا تھا۔

سقوطِ ڈھاکہ کے ہجرت کر کے مغربی پاکستان آنے والوں کو حالات نے ایک نئے المیے سے دوچار کر دیا۔ ڈر، خوف، بداعتمادی ان کا مقدر ٹھہری اور واہموں نے ان کی زندگی اجیرن بنا دی۔ وہ لوگ اپنی شناخت کے مٹ جانے کے غم میں تھے کہ نئے دیس نے انہیں اپنانے سے انکار کر دیا اور جو راستے کی صعوبتوں کو برداشت نہ کر سکے اور راستے میں پاکستان کی حسرت دل میں لیے اس جہاں فانی سے رخصت ہو گئے۔ اس حوالے سے جمیل عثمان کا افسانہ "چھوٹا پاکستان" اہم ہے۔ مرکزی کردار تِتلی بی سقوطِ ڈھاکہ کے بعد ہندوستان کے رستے نیپال چلی جاتی ہے مگر ٹکٹ کے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے نہ جا سکی۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

"میں سن رکھا ہے۔۔۔۔۔۔ کسی ملک میں۔۔۔۔۔ دوسرے ملکوں کے سفارت خانے ایسے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔ جیسے ان ملکوں کی سرزمین!۔۔۔۔۔ تو پھر۔۔۔۔۔ نے پال۔۔۔۔ پاک۔۔۔۔۔۔
ستانی سفارت خانہ چھوٹا پاکستان ہوا نا
بالکل!
تو میرے مرنے کے بعد۔۔۔۔۔۔ میری لاش۔۔۔۔۔۔ پاکستانی سفارت کانے میں چکوا دینا اور یہ کہنے کے دوسرے دن تِتلی بی مر گئی۔"(۱۲)

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد ہجرت کر کے کراچی آنے والوں کو اپنی آبادی کاری سے زیادہ نفسیاتی کچوکے لگتے وہ لوگ آگ کے دریا عبور کر کے مغربی پاکستان پہنچے اپنے پرکھوں کا شہر چھوڑنا، جہاں ان کا بچپن گزارا تھا، وہ ان کھیتوں اور باغوں کو کیسے بھول سکتے تھے مگر وہ جان بچا کر کراچی چلے اور کراچی جیسے شہر کی اجنبیت ان کا مقدر بنی۔ کراچی کی عوام اور دانش وروں کا بے حسی کا رویہ، لاتعلقی، ڈھٹائی آنے والوں مہاجرین کے لیے نہایت تکلیف دہ تھا۔ شاہد کامرانی کے افسانے " پھر تیرہ دیدہ" سے ایک اقتباس دیکھیے۔

"ہر طرف دھویں کے مرغولے رقص کر رہے تھے اور ہو سارے شناسا چہرے لیفٹ اور رائٹ کی باتیں کرنے والے، جمہوریت اور آمریت کی گردان لگانے والے، میزوں پر پاؤں پسارے کرسیوں پر نیم دراز سگریٹ کے کش لگاتے، بے مزہ چائے کی چسکیاں لگاتے، غیبت کرتے، پھبتیاں اُڑاتے۔۔۔۔۔۔ بے پرواہ لوگ اپنے پسندیدہ مشغلوں میں مصروف نظر آئے۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ گڑ بڑا گیا۔۔۔۔۔۔ یہ لوگ تو سب کچھ بھول گئے۔۔۔۔۔۔۔۔ اف تو یہ یہ کیسے لوگ ہیں۔"(۱۳)

سقوطِ مشرقی پاکستان نے اپنے باسیوں کو بھوک، افلاس، قتل و غارت گری، خود غرضی، لالچ، بے حسی اور افراتفری سے دوچار کر دیا وہ لوگ جو قیامِ پاکستان کے وقت اپنے نئے وطن پاکستان کے لیے اپنے پرکھوں کے شہر آسام، نواکھلی بہار سے ہجرت کر کے مشرقی پاکستان آئے تھے آج پھر وہ ایک نئی ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

"آفت زدہ شہر میں لاپتا ہونے سے بہتر ہے کہ آدمی گھنے مہیب جنگلوں میں کھو جائے وہ چپ ہوا اور خیالوں میں کھو گیا۔ اسے اپنا پہلا نکلنا پھر یاد آ گیا۔ دیر تک خیالوں میں کھویا رہا پھر ایک پچھتاوے کے ساتھ کہنے لگا کاش! میں نے نیپال کے جنگلوں میں ہجرت کی ہوتی۔"(۱۴)

شہرِ افسوس میں جہاں ہجرت اور بے نشان ہونا اور اپنی پہچان کا کھو جانے کا دکھ بیان ہوا ہے وہاں پاکستان جنرل کے ہتھیار ڈالنے کی تقریب کے حوالے اپنے جیسے دوسرے پاکستانیوں کے جذبات کا اظہار ملتا ہے کیوں جنرل کا ہتھیار ڈالنا اصل میں پوری قوم گھٹنے ٹیکنا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

" میں ے اس قبیلے کی طرف سے منہ پھیرا اور پنی جان بچا کر بھاگا، مگر میں ایک عجیب میدان میں جا نکلا، جہاں خلقت امڈی ہوئی تھی اور فتح کا نقارہ بجتا تھا میں نے پوچھا لوگو! یہ کون سی گھڑی ہے اور یہ کیا مقام ہے؟ ایک شخص قریب آ کر میرے کان میں کہا" یہ زوال کی گھڑی ہے اور یہ مقام عبرت کا ہے۔

"اور یہ کون شخص ہے جس کے منہ پر تھوکا گیا ہے؟"

اس شخص نے زہر بھری نظروں سے دیکھا اور کہا: تو اسے نہیں پہچانتا؟

"نہیں"

"اے بد شکل آدمی یہ تو ہے"

"میں"؟ یں سناٹے میں آ گیا۔

"ہاں! تو"

میں نے غور سے دیکھا اور میری پتلیاں پھیلتی گئیں وہ تو سچ مچ میں تھا ------

-------- میں اپنے آپ کو پہچانا اور مر گیا۔"(۱۵)

سقوطِ ڈھاکہ سانحے کے بعد ہجرت کر کے مغربی پاکستان آنے والے وں نے بے پناہ مصائب آلام جھیلے مگر نئے مملک میں ان کو بوجھ سمجھا گیا، ان پہچان مہاجر کے نام بنی اور ان اپنی پہچان جاتی رہی یہ دکھ باقی سب دکھوں پر سبقت لے گیا اور ان باطن میں سانحہ سرایت کرتا چلا گیا۔ انتظار حسین لکھتے ہیں:

" خارج کی سطح پر جو کچھ ہوا وہ ہوا مگر یہاں لگتا ہے کہ باطن کی سطح پر زیادہ بڑا سانحہ گزرا سقوط ڈھاکہ سے بڑا سقوط۔"(۱۶)

سانحہ ۱۹۷۱ء کے بعد مایوسی، بے ہمتی، بے سمتی اور بے چارگی کا راج رہا جس کی بنیادی وجہ پہچان کا کھو جانا تھا۔ وہ لوگ تقسیم ہند کے وقت مشرقی پاکستان کو دارالامان سمجھ کر ہجرت کر کے آ گئے تھے مگر اب انہیں یہاں پھر ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ تو ان کے دلوں میں اپنے وطن کے بارے میں طرح طرح کے شبہات جنم لے رہے تھے۔ وہ خود فضا میں محسوس کر رہے تھے۔

"ہزاروں سال ہونے کے باوجود میری جڑیں زمین میں نہیں، تو میری جڑیں کہاں ہین؟ گھبرا کر سارے وجود کو ٹٹولتا ہوں۔

حیرت ناک انکشاف ---- میری جڑیں ہی نہیں۔ تو میں زندہ کیسے ہوں۔

معلوم نہیں زندہ ہوں بھی کہ نہیں؟ -------- ہزار سالہ وجود پر انگلیاں پھیرتا ہوں۔ بھر بھری مٹی، تڑخی ہوئی زمین لکریں ہی لکریں، عبارتوں کے پھڑے اوراق، بوسیدہ عمارت جو نہ تو موجود ہے اور نہ ہی موجود۔ ذرا زور لگاتا ہوں، ساری عمارت کھسک کر دوسری طرف چلی جاتی ہے۔"(۱۷)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

ام عمارہ کے افسانہ "بے گناہی بے گناہی" کا موضوع بھی بے زمینی ہے جو مہاجرین ذہنی کیفیت کو سمجھنے کے کافی ہے۔ جنہیں محسوس ہو گیا تھا کہ نئی زمین بھی انہیں اپنی پناہ میں نہیں لے گی۔

> "پھر کیا ہوا بابا! جب ہمیں یہیں رہنا ہے اور اسی مٹی میں مل جانا ہے تو ہماری جڑیں اسی طرح یہاں مضبوط ہو سکتی ہیں۔ بڑے بھیانے بات کاٹی۔ تم کہہ سکتے ہو بیٹے ورنہ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ اس مٹی کا پیوند بن جانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا اور پیوند پیوند ہی رہے گا۔"(۱۸)

مشرقی پاکستان سے ہجرت کر کے آنے والے بہاریوں پر مہربانی کرتے ہوئے محکمہ آبادکاری نے قبرستان کے نواحی علاقے میں جھونپڑیاں بنانے کی اجازت دے رکھی تھی وہ لوگ بہاریوں کے محافظ اور ہمدرد دکھائی دیتے تھے مگر رات ہوتے ہی یہ لوگ وحشی درندے بن کر ان جسموں کو نوچنے لگتے تھے یوں وہ ان سے ہمدردی اور حفاظت کی قیمت وصول کرتے تھے۔ "الٹی قبر" سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

> "سرِ شام دو سنڈے مسٹنڈے کارندے آگئے انہوں نے اپنے آپ کو گورنمنٹ لینڈ ڈپارٹ منٹ کا بوبو ظاہر کیا ور پرھ ایک بابو نورل کو دھکے ٹھڈے مارتا تھانے کی طرف لے گیا کہ اس نے گورنمنٹ کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہے اور دوسرا بابو عائشہ کی جھونپڑی میں لڑکھڑاتا ہوا داخل ہوا اور گورنمنٹ کی زمین ناجائز قبضہ کرنے کے جرم کی سزا دینے کے لیے عائشہ کے جسم کی زمین پر خود بھی ناجائز قبضہ کرنا شروع کر دیا۔"(۱۹)

مہاجرت کا کرب شہناز پروین کے افسانے "مکتی" میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک ایسی لڑکی کی کہانی جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح پیدا ہوتی ہے اسی نسبت سے اس کا نام "مکتی" پڑ جاتا ہے۔ اسے بنگال سے بے حد پیار ہے مگر سانحہ ۱۹۷۱ء میں جب "مکتی باہنی" کے غنڈوں نے بہاریوں کے گھروں کو لوٹ کر آگ لگائی تو اس کی سوچ میں تبدیلی آگئی۔

> "پھر ۱۶ دسمبر کا منحوس دن بھی آگیا جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا اور پھر جب ۱۷ تاریخ صبح اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ آج کے دن پیدا ہونے والے تمام بچوں کے نام مکتی یا مجیب رکھے گئے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی بالکل ننھی سی بچی کی طرح "مجھ سے یہ نام چھین لو یا میرا گلہ گھونٹ دو" اس کی ماں پاگلوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ برسوں سے پکارا جانے والا نام بھی کہیں بدلا جا سکتا ہے۔۔۔۔وہ ہر صبح پاکستان جانے متعلق خبروں پر کان لگائے رکھتی اور جب پاکستان سے نقل آبادی کا کوئی اعلان نہ ہوتا تو وہ یہ کہہ کر خود کو تسلی دے لیتی، خیر وہ تو ہمارا اپنا ملک ہے ہم کوئی مہمان یا غیر ہیں جو ہمیں بلایا جائے۔"(۲۰)

مندرجہ مندرجہ بالا افسانوں کے علاوہ سانحہ ۱۹۷۱ء پر اُردو افسانے میں اس سانحے کی پوری تاریخ رقم ہے اور ہر افسانہ اس سانحے کے کسی نہ کسی ذیلی سانحے کو اپنا موضوع بناتا ہوا نظر آتا ہے۔ غلام محمد کا ایک شخص سہا ہوا، فیکٹری، تین مسافر، احمد سعدی کا بے زبان، مٹی کی خوشبو، بے گھر، پھول اور پتھر، شبنم یزدانی کا پنڈولم، اُتنا پشتم اور روح کی چنگاری، س۔م ساجد کا کمانی کا قتل، معمولی سی بات اور بوڑھی آنکھیں، شہناز پروین بجھتے چراغ، رنگ محل اور مالک شاہد کامرانی کا سنگم سے سنگم تک، اشلوک، بے رقت سفر اور آخری کڑی، شہزاد منظر کا یوٹوپیا، تیسرا وطن، پچھتاوا، اور اہم ہم کہاں جائیں گے ماں۔ مسعود مفتی کا ہم نفس، کفارہ، اُمید اور تشنگی، انتظار حسین کا اسیر، بے سبب، کشتی اور نیند اختر جمال کا دوسری ہجرت، رشید امجد اکا بے پانی کی بارش، یونس جاوید کا کانچ کا پل، مشرف احمد کا انیس سو اکہتر ایسے افسانے ہیں جن میں سانحہ ۱۹۷۱ء کا ہی کوئی نہ کوئی پہلو بیان ہوا ہے یہ وہ افسانے میں جن میں اس دور کی تاریخ سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر معین الدین تحصیل لکھتے ہیں۔

> "یہ کرب ۱۹۷۱ء کی جنگ میں پاکستانیوں کے جذبہ واحساس کو کہیں زیادہ متاثر کرنے کا باعث ہوا اور اسی اعتبار سے اس المیے پر لکھے جانے والے افسانے اپنے احساس و تاثر کے لحاظ سے زیادہ گہرے اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

> پاکستانیت سے اپنے رشتے کے حوالے سے زیادہ قریب بھی ہیں۔ ان میں پایا جانے والا درد و احساس پوری قوم کے درد و احساس کی ترجمانی کرتا ہے۔"(۲۱)

سقوطِ ڈھاکہ تاریخ کا ایک ایسا سانحہ ہے جس پر لکھے گئے اُردو افسانوں کے بارے میں بلاتردید کہا جا سکتا ہے کہ افسانہ نگاروں نے سانحہ ۱۹۷۱ء کے تناظر میں پیدا ہوانے والے سانحات کی جزئیات نگاری میں بھی سچائی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ سانحے کے ذمہ داران کا نام سے لے کر نشان دہی کی اور ان چہروں سے نقاب اتار پھینکنے میں کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔

اُردو افسانوں میں مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی، مشرقی پاکستان میں شر پسند عناصر کی مغربی پاکستان کے خلاف، مغربی پاکستان کے فتنہ پرور عناصر کی مشرقی پاکستان کے خلاف، بہاریوں کی بنگالیوں کے خلاف اور بنگالیوں کی بہاریوں کے خلاف زبانی، قلمی اور خونی کاروائیوں کا نقشہ موجود ہے، جس کو علامتی اور بیانیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ بلاشبہ اُردو افسانے میں اس دور کی تاریخ قید ہے جس سے اس کے اسباب علل کا احاطہ کیا جا سکتا ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے سانحہ مشرقی پاکستان کے موضوع پر اُردو افسانے کو دوسری اصناف ادب کے مقابلے میں معیار اور مقدار دونوں حوالوں سے معتبر حیثیت حاصل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ایم۔ ایم حسن، روزنامہ جنگ کراچی:۱۶ دسمبر، ۱۹۸۹، ص:۲

۲۔ شہزاد منظر، تخلیقی ادب، کراچی، عصری مطبوعات، ۱۹۸۰ء، ص:۹۶

۳۔ احمد سعدی، درد کا رشتہ، مٹی خشبو، ڈھاکہ، شہکار پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص:۱۱۲

۴۔ شاہد کامرانی، سچے چھوٹے آئینے، بے انت سفر، کراچی، دبستان جدید، ۱۹۹۲ء، ص:۵۷

۵۔ شہزاد منظر، اجنتی، ندیا کہاں ہے تیرا دیس، کراچی، منظر پبلی کیشنز ۱۹۹۰ء، ص:۱۰۰

۶۔ انور سدید، ڈاکٹر ۱۹۷۸ء کے بہترین مقالات، سرگودھا، مکتبہ اُردو زبان، ۱۹۷۹ء، ص:۱۰۷

۷۔ ابراہیم جلیس، بانگلہ دیش، الٹی قبر، کراچی، کتبہ جلیس، ۱۹۸۷ء، ص:۳۲

۸۔ س۔م ساجد، صلیب کے سائے تلے، دودِ چراغ محفل، ڈھاکہ، شاہکار پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء، ص:۱۰۵

۹۔ احمد سعدی سمجھوتہ دودِ چراغ محفل، ۸۴، ۵۵

۱۰۔ آغا سہیل، پرچم، مشمولہ ماہ نامہ فنون (مدیر احمد ندیم قاسمی) لاہور، دسمبر ۱۹۷۰ء، ص:۹۷

۱۱۔ منشا یاد، دوپر اور جگنو، میں اپنے افسانوں میں تمہیں ملوں گا، اسلام آباد، نشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۱ء، ص:۲۹

۱۲۔ جمیل عثمان، چھوٹا پاکستان، جلاوطن کہانیاں، کراچی، سخن دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص:۵۷، ۵۸

۱۳۔ شاہد کامرانی، پھر تیری دیدہ تر، ب انت سفر، ص:۴۲

۱۴۔ انتظار حسین، شہر افسوس، مجموعہ انتظار حسین، لاہور، سنگمیل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص:۶۲۰، ۶۲۱

۱۵۔ ایضاً، ص:۶۱۶

۱۶۔ انتظار حسین، پس ورق، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸، ص:۲۲۳

۱۷۔ رشید امجد، ڈاکٹر، بے ثمر عذاب، عام آدمی کے خواب، اسلام آباد، یورپ اکیڈمی، ۲۰۰۷ء، ص:۳۱۰، ۳۱۱

۱۸۔ ام عمارہ، بہ گناہی بے گناہی، مشمولہ ماہ نامہ نقوش (مدیر محمد طفیل) کراچی شمارہ نمبر ۵، ص:۷۳

۱۹۔ ابراہیم جلیس، الٹی قبر، منتخب تصانیف، کراچی، مکتبہ دانیال، ۱۹۹۶ء، ص:۵۸۸

۲۰۔ شہناز پروین، مکتی، مشمولہ ماہ نامہ، سیپ، کراچی: شمارہ نمبر ۳۰، ص:۱۱۲

۲۱۔ معین الدین تحصیل، ڈاکٹر، پاکستانی زان و ادب۔ سائل و مناظر، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص:۲۴۱، ۲۴۲